OPEN ACCESS
Journal of Semitic Religions
ISSN (Print): 2958-7514
ISSN (Online): 2958-7522
https://jsrpk.com/index.php/Journal

مسلم فیمینسٹ (تھیالوجسٹ) آمنہ ودود اور کیشا علی کے افکار: ایک تقابلی جائزہ

The Thoughts of Muslim Feminists (Theologians) Amina Wadud and Kecia Ali: A Comparative Review

Dr. Maryam Noreen
Lecturer, Islamic Studies, Govt Girls Degree College (GGDC) Nowshera

Dr. Mufti Kifayat Ullah
Assistant Professor, Islamic Studies, Sarhad University (SUIT) Peshawar
Email :kifayat.edu@suit.edu.pk ORCID: 0000-0003-0967-7053

Mufti Waseem Akram Haqqani
Specialization in Islamic Jurisprudence ,Pakistan
Email :waseemakramqasmi173@gmail.com

Abstract:
Islamic feminism, emerging as a significant movement advocating for Muslim women's rights and gender equality, seeks to challenge traditional Islamic interpretations by offering new perspectives. This movement aims to address gender disparities while staying true to Islamic principles, presenting interpretations rooted in justice and equality based on the Quran and Sunnah. Notable scholars like Amina Wadud and Kecia Ali, whose theories are comparatively analyzed in this article, argue for gender equality within an Islamic framework. Wadud emphasizes contextual and experiential factors in Quranic interpretation, while Ali critiques gender biases in Islamic jurisprudence. This article examines their views on gender roles, marriage, and sexuality, highlighting their contributions to the ongoing debates within Islamic feminism.
Keywords: Islamic feminism, Gender equality, Amina Wadud, Kecia Ali, Quranic interpretation, Islamic jurisprudence,

تمہید:

تانیثیت اور فیمنزم حقوق نسواں کی ایک تحریک ہے جس کا مقصد عوامی اور نجی زندگی میں جنس سے قطع نظر تمام انسانوں کی مکمل مساوات ہے تاکہ مرد و عورت کے درمیان ہر میدان میں مساوی حقوق اور مواقع فراہم کیے جا سکیں۔ یہ تحریک بنیادی طور پر خواتین کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک، ناانصافی، اور معاشرتی، معاشی، اور سیاسی حقوق کی عدم دستیابی کے خلاف ایک آواز ہے۔ مسلم معاشروں میں فیمنزم ایک پیچیدہ اور متنازع موضوع رہا ہے کہ بعض مفکرین فیمنزم کی تحریک کو اسلامی اصولوں کے خلاف سمجھتے ہیں جبکہ کچھ مسلم اسکالرز اور خواتین حقوق کی علمبردار اس بات پر زور دیتی ہیں کہ اسلام خواتین کے حقوق کا ضامن ہے، اور وہ قرآن و سنت کی روشنی میں صنفی مساوات کی تشریح پر زور دیتی ہیں۔ یہ آرٹیکل مشہور مسلم فیمنسٹ آمنہ ودود اور کیشا علی کے افکار کے تقابلی جائزہ پر مشتمل ہے لیکن اس سے پہلے

cc BY

ضروری ہے کہ ہم فیمنزم کا لغوی و اصطلاحی مفہوم جاننے کی کوشش کریں کہ فیمنزم کیا ہے؟

فیمنزم کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

Feminism کی اصطلاح Feminine سے ماخوذ ہے، فرانسیسی اور جرمن میں اس کا مساوی feminine ہے، جس کا مطلب ہے: عورت یا عورت کی جنس، یہ اصطلاح دراصل لاطینی لفظ Femina سے ماخوذ ہے۔[1] سب سے پہلے 1837ء میں فرانسیسی لغت میں یہ اصطلاح ایک مقالہ میں استعمال ہوئی جس کا عنوان(Homme-Femine.) تھا، جو کہ 1872ء میں چھپا تھا،[2] جہاں یہ اصطلاح ان عورتوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھی جو مردانہ انداز میں برتاؤ کرتی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ Herbetin Auclert[3] نے 1882ء میں 'Feminism' اصطلاح کو سب سے پہلے استعمال کیا تھا اور اس اصطلاح سے اس کی مراد سیاسی حقوق کے حصول کے لیے خواتین کی جدوجہد تھی۔[4] دراصل انگریزی زبان میں اس اصطلاح کو سب سے پہلے چارلس فوئیر[5] نے استعمال کیا تھا، تاہم فرانسیسی زبان میں اس کا استعمال کافی پہلے ہو چکا تھا۔

فیمنزم کے رجحانات کی کثرت، تنوع اور بعض اوقات متضاد اہداف و مقاصد کی پیش کش نے فیمنزم کی ایک واحد، جامع اور مانع تعریف کو ناممکن بنا دیا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کے مختلف شعبہ جات جیسا کہ سماجی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی، اپنے نقطہ نظر کے مطابق فیمنزم کی تعریف کرتے ہیں۔ تاہم موضوع کو اقرب الی الفہم بنانے کے لیے کچھ تعریفات کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق فیمنزم کی تعریف یہ ہے کہ:

"The belief that women should be allowed the same rights, power, and opportunities as men and be treated in the same way"[6]

یہ سوچ و فکر قائم کرنا کہ خواتین کو مردوں کی طرح مساوی حقوق، طاقت اور مواقع کی اجازت ملنی چاہیے اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جانا چاہیے (جیسا کہ مردوں کے ساتھ کیا جاتا ہے) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں یہ تعریف مذکور ہے کہ:

"Feminism is the belief in the social, economic, and political equality of the sexes"[7]

فیمنزم دراصل جنسوں (مرد و عورت) کے مابین سماجی، معاشی اور سیاسی مساوات پر یقین یا نظریہ کا نام ہے۔ عربی لٹریچر کا اگر جائزہ لیا جائے تو فیمنزم کی درج ذیل تعریف ہمارے سامنے آتی ہے:

"النسويّة أو الدفاع عن حقوق المرأة، هي نهضة اجتماعيّة تهدف إلى إحراز موقع

للمرأة مساوٍ لموقع الرجل على الصعيد الثقافي والاجتماعي والاقتصادي"[8]

حقوق نسواں، یا خواتین کے حقوق کا دفاع، ایک سماجی نشاۃ ثانیہ ہے جس کا مقصد ثقافتی، سماجی اور اقتصادی سطحوں پر عورتوں کے لیے مردوں کے برابر مقام حاصل کرنا ہے۔

زندگی کے مختلف شعبوں اور جہات سے تعلق ہونے کی وجہ سے فیمنزم کی ایک تعریف کرنا کافی مشکل ہے تاہم درج ذیل تعریف نے کسی حد تک فیمنزم کی تمام جہات کو سمو لیا ہے:

أنّها فرعٌ علميٌّ حديثٌ حول المرأة، وهي تسعى إلى تطوير نظامٍ فكريٍّ حول حياة البشر لتبحث وضع المرأة كمعترفٍ بها وكعارفة ومنتجة وعالمة[9]

حقوق نسواں کو خواتین کے بارے میں ایک جدید سائنسی شاخ کے طور پر دیکھا جاتا ہے، یہ انسانی زندگی کے بارے میں ایک ایسا نظامِ فکر تشکیل دینے کا نام ہے جس میں خواتین کی حیثیت کا مختلف طور پر جائزہ لیا جائے جیسا کہ ان کو تسلیم کرنا، ان کے علم و عرفان کو ماننا وغیرہ۔

ان تعریفات پر غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ فیمنزم دراصل سماجی، ثقافتی، سیاسی تحریکوں، نظریات اور اخلاقی فلسفوں پر مشتمل ہے جن کا تعلق صنفی عدم مساوات اور خواتین کے مساوی حقوق سے ہے۔ طاقت کے غلط استعمال سے گریز کرتے ہوئے انسانی زندگی کے مختلف شعبہ ہائے جات جیسا کہ معیشت، طبقہ، ذات، نسل، ثقافت، مذہب وغیرہ کے تحت مساوات اور انصاف کا قیام اس تحریک کا مقصد ہے۔

فیمنزم کا آغاز:

فیمنزم کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں، الزبتھ کیڈی اسٹینٹن[10] کی قیادت میں ہوا، جس کی بنیاد یہ سوچ و فکر تھی کہ بائبل کے متون کا پدرانہ مرکزیت کے برعکس اس طور پر جائزہ لیا جائے جس سے حقوق نسواں نمایاں ہوں اور مذہبی متون کا ایک نئے نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جائے۔

یہ اصطلاح (فیمنزم) تحریک نسواں کے زمانہ ظہور سے مختلف ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر اس اصطلاح "فیمنزم" کا استعمال خواتین کے احتجاج کے آغاز کے بعد شروع ہوا، جو عصر حاضر میں ہر سال 8 مارچ کو پاکستان سمیت دنیا کے مختلف ممالک میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اصطلاح کا یہ اختلاف اس لیے ہے کہ شروع زمانہ میں خواتین کے حقوق کے لیے لڑنے والے بہت سے افراد اپنے آپ کو فیمنسٹ نہیں مانتے تھے، جب کہ "فیمنزم" کی اصطلاح حال ہی میں استعمال کی گئی تھی، اس لیے یہ اصطلاح ان تمام افراد، تنظیموں، اداروں اور گروہوں کے لیے استعمال ہونے لگی ہے جو حقوق نسواں کے لیے کام کرتے ہیں۔[11]

تحریک حقوق نسواں (فیمنزم) فتوحات اور نقصانات سے بھرپور ایک طویل تاریخ سے گزری ہے۔ اس کی تاریخ عمومی طور پر مغربی ممالک کے تاریخی دھارے سے جڑی ہوئی ہے اور یہ ان تبدیلیوں سے بھی جڑی ہوئی ہے جو

خاص طور پر وقت کے ساتھ خواتین کی زندگیوں میں رونما ہوئی ہیں۔

اسلامی تانیثیت کا مفہوم اور پس منظر:

انیسویں صدی کے وسط سے، مسلمان مرد و زن نے خواتین پر تعلیم، خلوت، پردے، تعدد ازدواج، غلامی اور لونڈی کے حوالے سے عائد پابندیوں پر بہت سے سوالات اٹھاتے ہوئے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اس قسم کی تعلیمات پر از سر نو غور کرنا چاہیے۔ قدامت پسند اور اسلامی تانیثیت کے حامی، دونوں ہی قرآن، حدیث، اور مسلم تاریخ کی ممتاز خواتین کو بنیاد بنا کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ عصر حاضر میں پیدا ہونے والی سیاسی، سماجی، معاشرتی اور نو آبادیاتی تبدیلیوں کا تقاضا یہ ہے کہ کئی صدیاں پہلے بیان ہونے والی تشریحات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔ ابتدائی اسلام زیادہ مساویانہ نظریات کی نمائندگی کرتا ہے، جب کہ قدامت پسندوں کا کہنا ہے کہ صنفی ہم آہنگی "الہٰی طور پر مقرر" ہے۔[12] جیسا کہ مارگٹ بدران نے اسلامی تانیثیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ایک واضح طور پر اعلان کردہ منصوبہ، ایک تجزیاتی اصطلاح، اور شناخت کی اصطلاح کے طور پر اسلامی حقوق نسواں (اسلامی تانیثیت) کی بنیاد قرآن ہے، اسی کی تفہیم کے ذریعے مرد و عورت میں سے ہر ایک کے لیے مساوی حقوق اور زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔"[13]

اٹھارہویں صدی سے اسلامی روایت کے اندر سے بہت سی نئی علمی تشریحات تیار ہوئی ہیں جو مسلم خواتین کے خلاف ہونے والی سماجی برائیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جدید اسلامی تانیثیت کے اسلامی اسکالرز اپنی علمی کاوشوں کو خدا اور پیغمبر کی طرف سے فراہم کردہ حقوق کی بحالی کے طور پر دیکھتے ہیں لیکن معاشرے کی طرف سے ان کاوشوں کو پذیرائی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

اسلامی حقوق نسواں کی جدید تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی۔ ممتاز مصری مصنف عائشہ تیمور (1840-1902) کی تحریروں میں خواتین پر مردوں کے تسلط پر تنقید کی گئی اور خواتین کی عقل اور ہمت کو خوب سراہا گیا۔[14] ایک اور ابتدائی مسلم نسوانی کارکن اور مصنفہ زینب فواز (1860-1914) نے مردوں کے ساتھ خواتین کے سماجی اور فکری معیار پر بحث کی اور مشہور خواتین کی سوانح حیات کی کتاب لکھی۔[15]

عملی طور پر حقوق نسواں کی اصطلاح اور روح سب سے پہلے انیسویں صدی میں مشرق وسطیٰ کے یورپی استعمار کے تناظر میں مسلم ماحول میں داخل ہوئی۔ 1920 کی دہائی کے اوائل تک 'فیمنزم' کی اصطلاح مصر میں میں نمودار ہوئی۔ اسلامی معاشرے میں اس کی آمد مصر پر برطانوی قبضہ کے بعد معرض وجود میں آئی۔ اس کی آمد ہی سے اس بحث نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا کہ حقوق نسواں سے بحث و مباحثہ مسلمان خواتین کو تہذیب کے ثقافتی نشانات تک محدود کر دے گا، مسلم ثقافت کی دھجیاں بکھیرے گا اور نو آبادیاتی تہذیب کے منصوبے کو جواز فراہم کرے گا۔[16]

اسلامی حقوق نسواں 1990 کی دہائی میں اس اصطلاح کے ظہور کے بعد سے ایک وسیع پیمانے پر زیر بحث رہا ہے

۔یہ بحث بنیادی طور پر ان طریقوں کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی ہے جس میں حقوق نسواں ، اسلام اور مسلم معاشروں میں خواتین کے مقام سے متعلق وسیع تر مباحث میں اسے پیش کیا جاتا تھا اور اب بھی پیش کیا جاتا ہے۔ مسلم نسائیت پسند مفکرین نے اپنے منفرد نظریات و افکار کی وجہ سے اس بحث کو نئی جہت اور سمت سے روشناس کرایا جس کی وجہ سے تاحال یہ بحث جاری ہے۔ ان مسلم فیمینسٹ مفکرین میں آمنہ ودود اور کیشا علی بھی ہے جنہوں نے اس فکر کی ترویج میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ذیل میں ان کے افکار کا تقابلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے لیکن اس سے قبل ان کا مختصر تعارف جاننا ضروری ہے۔

آمنہ ودود کا تعارف:

آمنہ ودود 25 ستمبر 1952ء میری لینڈ، امریکہ (Bethesda,Maryland USA)، میں ایک افریقن امریکن خاندان میں پیدا ہوئی۔ جنکا نام میری ٹیسلے (Mary Teasley) تھا۔ ان کے والد عیسائی فرقے کے میتھوڈیسٹ پجاری تھے۔ آمنہ سکول لیول پر مختلف عیسائی فرقوں کو جانچنے کی دلچسپی رکھتی تھی۔ پھر یونیورسٹی میں مشرقی روحانی روایت میں دلچسپی لی اور بدھسٹ بن گئی اور ایک سال آشرم میں رہی۔ مراقبہ اور منتی مشق بھی کی۔ اگلے سال جب وہ 18 یا 19 برس کی تھی کہ گریجویشن یونیورسٹی آف پنسل وانیا کے دوران انکی ملاقات فاطمہ مرنیسی[(17)] سے ہوئی۔ جو عرصۂ دراز سے قرآن کی تعبیرِ نو کی بنیاد پر مسلم خواتین کو معاشرے میں انکا اعلیٰ مقام دینے کیلئے کوشاں تھیں۔ یہی ان کی اسلام سے قربت کا سبب بنا۔ وہ خود قبولِ اسلام کی یہ وجہ بیان کرتی ہیں کہ عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کے مقابل اسلام عقیدۂ توحید کا قائل ہے، اسکے ساتھ ساتھ اسلام ذات پات، رنگ نسل کی تفریق سے بالاتر مرد و عورت کے حقوق کا علمبردار ہے۔[(18)] اگلے سال جب تقریباً 20 برس کی عمر میں وہ مسلمان ہوئی اور اپنا آمنہ ودود محسن رکھا۔ اس کے بعد ان کی رغبت اسلامی علوم کو سیکھنے میں بڑھی اور بالفعل دینی علوم سیکھنے کا آغاز کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آمنہ 1989ء سے 1992ء تک ملائیشیا میں قرآنی علوم کے شعبے میں بین الاقوامی یونیورسٹی ملائیشیا میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تین سال کیلئے معاہدہ کیا، جہاں انہوں نے اپنا پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ قرآن اور عورت (مقدس کلام کا عورت کے تناظر میں مطالعہ) (Quran & Woman(Rereading the Sacred from a Woman's perspective شائع کیا۔ 1992ء میں آمنہ ودود نے ورجینیا کامن ویلتھ یونیورسٹی (Virginia Commonwealth University USA) میں مذہب اور فلسفہ کے پروفیسر کی حیثیت سے پوزیشن سنبھال لی، جہاں سے وہ 2008ء میں ریٹائرڈ ہوئی۔

کیشا علی کا تعارف:

کیشا علی 1972 کو امریکہ کے ایک غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہوئیں اور کالج کے دوران انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کو مسلم فیمینسٹ اسکالر کے طور پر جانا جاتا ہے جنہوں نے اسلام، اسلامی فقہ، اور مسلم خواتین کے مسائل پر گہرائی سے کام کیا ہے۔ کیشا علی نے 1993 میں اسٹینفورڈ یونیورسٹی سے تاریخ اور فیمینسٹ اسٹڈیز میں بی اے کیا۔ پھر، 2000 میں، انہوں نے ڈیوک یونیورسٹی سے مذہب میں ایم اے اور 2002 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔[19] کیشا علی کی تحقیقاتی کام میں اسلامی فقہ میں خواتین کے کردار اور ان کے حقوق کا تفصیلی جائزہ شامل ہے۔ انہوں نے اسلامی

قانون کے مختلف پہلوؤں، جیسے نکاح، طلاق، اور جنسیت پر بھی گہرائی سے تحقیق کی ہے۔ وہ اسلامی قانون کے روایتی ڈھانچے پر تنقید کرتی ہیں اور اسے معاصر دنیا کے حالات کے مطابق از سر نو جانچنے کی ضرورت پر زور دیتی ہیں۔ وہ اسلامی تاریخ اور فقہ میں مردوں کے غلبے کے موضوع پر بھی بحث کرتی ہیں اور اس بات کی وکالت کرتی ہیں کہ اسلام کے اندر خواتین کے حقوق کی ایک نئی اور زیادہ مساوات پر مبنی تشریح کی جانی چاہیے۔

آمنہ ودود اور کیشا علی: اسلامی تانیثیت اور متون:

آمنہ ودود اپنے علمی مجاہدہ اور فعالیت کو صریحاً "اسلامی تانیثیت" کے نام سے ذکر کرنا پسند نہیں کرتیں تھیں تاہم 2011ء کے بعد اس نے اس عنوان کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آمنہ ودود کے اہم کاموں میں سے ایک کام ان کی کتاب (Qur'an and Woman) ہے جس میں انہوں نے عورت سے متعلق اسلام کی معروف تعلیمات کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، خاص کر وہ تعلیمات جن کا تعلق معاشرت اور سیاست سے ہے۔ آمنہ ودود کی اسلامی تانیثیت سے متعلق فکر اور سوچ کیا ہے وہ اس کتاب سے خوب واضح ہوتی ہے۔ عورت کی مخصوص حیثیت پر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتی ہیں کہ:

> "There is no term in the Quran which indicates that child bearing is primary to a woman. Although it does not restrict the female to functioning as a mother."20

ترجمہ: "قرآن مجید میں ایسی کوئی اصطلاح موجود نہیں ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہو کہ ولادت ہی عورت کا بنیادی کام ہے۔ اس بات کا کوئی اشارہ نہیں دیا گیا ہے کہ ماں بننا ہی اسکا خصوصی کردار ہے۔"

یعنی عورت کے لیے ماں بننے کی جو حیثیت اسلامی معاشرے میں مشہور ہو چکی ہے اور جس طرح کا تقدس اس کو حاصل ہو چکا ہے، اس کے لیے کوئی بھی دلیل قرآن سے تلاش نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو فطری تقسیمِ کار کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ اندرونِ خانہ ذمہ ادریاں اور امورِ خارجہ کی ذمہ داریاں۔ اگر بالفرض والتقدیر فکرِ جدید کے مطابق امورِ خارجہ میں مرد و عورت کی مساوی نمائندگی مان لی جائے اور عورت کو اس کی فطری ذمہ داریوں سے آزاد کر دیا جائے، تو اسکا نتیجہ خاندانی، سماجی اور معاشرتی نظام کے بگاڑ کا سبب بنے گا۔ اگر ہم فکرِ جدید کی طرح یہ مان لیں کہ ولادتِ اطفال عورت کی بنیادی ذمہ داری نہیں ہے اور اس کو امورِ خارجہ میں شریک کر دیا جائے تو دنیا کا نظام چلانے کیلئے نئی نسل کہاں سے آئے گی؟؟

اس کے مقابلے میں کیشا علی کی 2006 کی اشاعت (Sexual Ethics and Islam: Feminist Reflections on Qur'an, Hadith, and Jurisprudence) جنسی اخلاقیات اور اسلام: قرآن، حدیث، اور فقہ پر حقوق نسواں کی عکاسی، سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ وہ بھی اسلامی تانیثیت کی علمبردار ہیں۔ درحقیقت اس کتاب میں صنفی انصاف کے لیے ایک گہری وابستگی پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مصنفہ غیر متزلزل طور پر

اسلامی مآخذ میں صنف اور جنسیت سے متعلق مشکل مسائل سے بحث کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

ودود کی طرح، کیشا علی بھی واضح طور پر اس بات سے واقف ہیں کہ نو آبادیاتی بنیادوں کے نتیجے میں "مغرب کے اندر مسلم فکری زندگی اور پیداوار کے تمام پہلوؤں میں تشویش کا واضح جذبہ پیدا ہوا ہے، لیکن خواتین اور جنس سے زیادہ کوئی شئے اہمیت نہیں رکھتی۔"[21] کیشا علی اس بات سے بالکل متفق ہیں کہ غربت، سیاسی جبر، جنگ، اور عالمی طاقت کی حرکیات کو جنسی معاملات سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ غربت سے متعلق لکھتی ہیں کہ:

"poverty matters differently for women, when it constrains women's inability to negotiate marriage terms or leave abusive spouses."[22]

عورتوں پر غربت کے مختلف طرح سے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، بالخصوص جب یہ خواتین کی شادی کی شرائط پر گفت و شنید کرنے یا بد سلوکی کرنے والے شریک حیات کو چھوڑنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔

کیشا علی اور آمنہ ودود کے مابین اسلامی تانیثیت سے متعلق اگرچہ کافی حد تک مماثلت ہے تاہم کیشا علی کی فکر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فکر میں معذرت خواہانہ انداز نہیں ہے۔

کیشا علی، آمنہ ودود کے مقابلے میں قرآن کا زیادہ گہرائی سے مطالعہ کرتے ہوئے نظر آتی ہیں اور اپنے مطالعہ میں تنقیدی نگاہ کو ضرور مد نظر رکھتی ہیں اور وہ فکر تانیثیت کو بالکل ایک الگ زاویہ سے دیکھتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ عصر حاضر میں اس امر کی ضرورت ہے کہ اسلام سے متعلق جس قسم کی جابرانہ اور سفاکانہ سوچ معاشرے میں پروان چڑھ چکی ہے اس کو کمزور کیا جائے، جو تب ہی ممکن ہے کہ جب متون اور اس کی تشریحات کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔

آمنہ ودود اور کیشا علی: مقاصد اور منہج تحقیق

ودود کا مقصد اس بات کی تحقیق کرنا تھا کہ خواتین کے حوالے سے مسلم ثقافتی رسومات کس حد تک صحیح معنوں میں اسلامی ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ "معاشرے میں خواتین کے لیے اسلام کی فکر و نظر" قرآن سے حاصل کی جا سکتی ہے کیونکہ اسے "اللہ کا کلام" کے طور پر اتفاق رائے سے سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ہاں قرآن ہی حتمی اتھارٹی ہے جس پر مسلمانوں کو اپنے عقیدے کی بنیاد رکھنی چاہیے، جیسا کہ اگر قرآن یہ کہتا کہ مرد اور عورت "برابر نہیں" ہیں، تو اس عدم مساوات کو اسلام میں ایمان کی بنیاد کے طور پر قبول کرنا لازم ہوگا۔[23]

تاہم خواتین سے متعلق قرآن کے بیان کردہ مکمل مساوات کے نظریہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کی مختلف وجوہات ہیں: اول تو یہ کہ قرآن کی تفسیر صرف ایک مردانہ سرگرمی تھی۔ دوم یہ کہ جن مردوں نے قرآن کی ترجمانی کی ہے، ان کا سماجی و ثقافتی تناظر پدرانہ فکر پر مبنی تھا۔ سب سے پہلے تو یہ سوچ اس قدر غالب ہو چکی ہے کہ متن[24] کو سمجھنے کے لیے کسی مرد مترجم کو پڑھنا ضروری ہے تاکہ معاشرے میں عورت کے مقام کے بارے میں پیشگی تصورات لازمی طور پر تفسیر کو تشکیل دیں۔

آمنہ ودود نے یہ طے کیا ہے کہ ہر حال میں متن کا از سر نو جائزہ لینا ضروری ہے کیونکہ جس طرح کی تشریحات ہمارے ہاں مروج ہیں اس میں پدرانہ سوچ بدرجہ اتم موجود ہے جس کا قاری کی فکر پر برائے راست اثر پڑتا ہے۔ اسی لیے تمام مردانہ تشریح کی اصلاح کے طور پر، آمنہ ودود نے قرآنی تفسیر میں خواتین کی آوازوں کو شامل کرنے کی وکالت کی ہے تاکہ ایسی تشریحات پیش کی جاسکیں جو صنفی انصاف کی تصدیق کرتی ہوں۔[25] اگرچہ یہ تجویز یقیناً قابلِ ستائش اور ضروری ہے، لیکن اس سے بعض غیر منطقی تضادات پیدا ہوتے ہیں جنہیں آمنہ نے اپنی کتاب "قرآن اور عورت" میں حل نہیں کیا۔ اس کے علاوہ آمنہ ودود کی فکر پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی فکر کے قیام کے لیے "صدیوں کے تاریخی اور مرکزی مطالعہ کے لیے عرب کی اسلامی ثقافت" کو غیر ضروری قرار دیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ آمنہ نے جس طرح کی فکر بیان کی ہے، اس کے لیے کوئی ایسی نقلی وخارجی دلیل بیان نہیں کی ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ اس کی بیان کردہ فکر سابقہ افکار کے مقابلے میں موزوں اور زیادہ قرین قیاس ہے۔

قرآن کی تشریحات میں موجود پدرانہ فکر کے غلبہ کو تسلیم کرتے ہوئے آمنہ ودود کا ماننا یہ ہے کہ قرآنی نظریہ اور عصری تناظر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اُس ظلم کو ختم کیا جاسکتا ہے جو ایک مخصوص صنف (مرد) کی جانب سے پیدا کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن کا بنیادی اور مرکزی خیال ایسا ہے جو "انسانوں کے لیے انصاف، وقار، قانون، اللہ کے سامنے مساوی حقوق، باہمی ذمہ داری اور انسانوں کے درمیان مساوی تعلقات کے تصورات" کی تشکیل کرتا ہے۔[26] لہٰذا ضروری ہے کہ کسی بھی قرآنی ارادے کو مخصوص اقتباسات کی روشنی میں جاننے سے پہلے یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ارادہ لازمی طور پر قرآن کے عالمی نظریہ کے مطابق ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر قرآنی ارادے اور عالمی نظریہ (عصری اور معاصر مسائل) کے درمیان تضادات پائے جاتے ہیں، تو ان کو قرآن میں بیان ہونے والی دیگر نصوص جو بنیادی موضوع تاریخی اور عالمی ہے، اس کے تناظر میں حل کیا جانا چاہیے اور اس میں کوئی عار نہیں ہے۔ اس موقف کو عار نہ سمجھنے کی دلیل بیان کرتے ہوئے آمنہ ودود رقمطراز ہیں کہ:

"a logical progression with regard to the development of human interactions, morality, and ethics."[27]

(اس قسم کی فکر اور موقف) "انسانی تعامل اور اخلاقیات کی ترقی کے حوالے سے ایک منطقی پیش رفت کا تعین کرتا ہے۔

آمنہ ودود نے (Inside the Gender Jihad) میں نے اس تصور کو خلیفہ کے تصور میں مزید فروغ دیا، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عصری تقاضے عورت کی امامت وخلافت کے حامی ہیں لہٰذا عالمی نظریہ کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے اس کی اجازت دینا انسانی معاشرے کا حق ہے۔[28]

جہاں تک کیشا علی کا تعلق ہے تو ان کی کتاب (Sexual Ethics and Islam) "جنسی اخلاق اور اسلام" میں، قرآن، حدیث اور کلاسیکی فقہی روایات کے معاملات پر فیصلے کرنے کی ایک محسوس ضرورت کا جواب دیا گیا

ہے۔ یہ کتاب مسلمانوں کی موجودہ، تاریخی اور ثقافتی اقدار کے ساتھ جنسی معاملات سے متعلق کیے جانے والے فیصلوں کو ملا دینے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مذہبی ذرائع کو عصری سیاق وسباق سے مسلسل مطابقت پذیر بنایا جائے۔ مصنفہ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کی صورت حال کے بارے میں فکر مند ہیں، جسے وہ "مسلمانوں کے مابعد روایتی سماج میں رہنے "[29] سے تعبیر کرتی ہیں۔ اس فکر کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ جو مذہب سے متعلق (انسان کی ذاتی زندگی تک ہی محدود ہونا چاہیے) کی سوچ لے کر چلتا ہے وہاں اسلامی قوانین کا جبری نفاذ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ لہذا وہاں کا مسلمان اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے حوالے سے خاصا کشمکش کا شکار رہتا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اسلام کا وہ قانون جو بنیادی متون میں بیان ہوا ہے وہ بالکل کالعدم شمار کیا جائے۔ اسلامی قانون ہر حال میں کارآمد ہے، خاص کر ان علاقوں کے لیے جہاں کسی قسم کے شہری قوانین موجود ہی نہیں ہیں۔

کیشا علی کا مشاہدہ یہ ہے کہ اچھی جنس کے لئے معاشرتی اور رضاکارانہ ضوابط کے معاصر ضروریات اور کلاسیکل علماء کے درمیان، قرآن وسنت سے اخذ کیے جانے والے فیصلوں سے متعلق ایک انتظامی عدم موافقت ہے۔[30] یعنی وہ فیصلے جن کا تعلق عائلی مسائل، نکاح، توالد وتناسل، رضاعت اور مرد کی ملکیت، چاہے وہ نکاح کے ذریعے حاصل ہو یا ملک یمین کے ذریعے، یہ سارے ایسے مسائل ہیں جن سے متعلق اہل علم اور عوام کی سوچ کے مابین کافی فرق پایا جاتا ہے۔[31]

شریعت اسلامی کا تناظر

مذکورہ مسئلہ قرآن وحدیث اور کلاسکی فقہ کی حد تک تو واضح ہے تاہم مرد وعورت کے مابین قائم کیے جانے والے عصری معیارات اس فکر سے متصادم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تانیثیت کے کچھ حامی اگرچہ قرآن پر تو کسی قسم کا کوئی کلام نہیں کرتے تاہم مشرق وسطی کے علماء پر پدرانہ سوچ پر مبنی بیان کیے جانے والے احکام کو ضرور قابل مذمت قرار دیتے ہیں۔ البتہ کیشا علی اس موقع پر قرآن کی جانب سے بیان کیے جانے والے نظریات، جیسا کہ طلاق کا یک طرفہ حق، کی توثیق کرتی ہیں اور مخالفین کی جانب سے عدم مساوات کے دعوؤں کی تردید کرتی ہیں۔

تاہم کیشا علی کا ماننا یہ ہے کہ نصوص اور روایت کے اندر پائے جانے والے بنیادی مفروضوں اور عصری مسلمانوں کے درمیان منظم تضاد کو جنس اور شادی سے متعلق موجودہ بحثوں میں اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ایک جانب معذرت خواہانہ انداز ہے تو دوسری طرف ہر حال میں دفاعی پوزیشن اختیار کی جاتی ہے، جس سے نصوص کی درست تفہیم سامنے نہیں آتی۔

کیشا علی اس قسم کے تضادات کا ایک واضح اور روشن حل بیان کرتی ہیں اور اس پر خوب زور دیتی ہیں کہ متون میں تضاد حقیقی نہیں ہے بلکہ اپنی فکر اور سوچ کی کارستانی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی نص معاصر سماج اور معاشرے کے مطابق سمجھ نہیں آتی تو مفسرین اور فقہائے کرام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کی تشریح اس تضاد کی ذمہ دار ہے۔ حالانکہ یہ تضاد متقدمین پر اعتراض کے بجائے اپنی حالت اور کیفیت پر غور کرنے کا متقاضی ہے، اس لیے کہ کسی نص کا سماج کے مطابق نہ ہونا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہے کہ متن میں بیان کردہ حکم درست نہیں ہے لہذا معذرت پر مبنی رویہ اختیار کر لیا جائے یا سوچے سمجھے بغیر دفاعی انداز اپنا لیا جائے۔[32]

بہر حالکیشا علی کی فکر کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ نہ تو اس حق میں ہیں کہ مغربی تانیثیت سے متاثر ہو کر اسلام جیسے عالمگیر تعلیمات پر مبنی دین کے متون پر قدغن لگائی جائے اور نہ اس حق میں ہیں کہ بغیر سوچے سمجھے ان تشریحات کا بھی دفاع کیا جائے جن کی وجہ سے اسلامی متون میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

Muslims need to genuinely interrogate their actions rather than simply insist .that what they do is "what 'Islam' requires

مسلمانوں کو اپنے اعمال کی صحیح معنوں میں تفتیش کرنے کی ضرورت ہے، بجائے اس کے کہ وہ صرف اس بات پر اصرار کریں کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ "اسلام" کا تقاضا ہے۔

کیشا علی یہ کہنا چاہتی ہیں کہ اسلام سے متعلق سوچی سمجھی سازش کے تحت جس قسم کی منصوبہ بندی عالمی سطح پر ہو چکی ہے اس کا حل عذر خواہی یا غیر منطقی دفاعی پوزیشن نہیں ہے بلکہ اس کا حل عملی اقدامات اور اپنے اعمال کا از سر نو جائزہ لینا ہے تا کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ بحیثیت مسلمان ہم جو کچھ کر رہے ہیں، کیا اس کو جواز بخشنے کے لیے اسلامی متون میں تبدیلی ضروری ہے یا خود کو صحیح معنوں میں اُس قالب میں ڈھالنا ضروری ہے جس کا اسلام روز اول سے مطالبہ کرتا آیا ہے۔

آمنہ ودود اور کیشا علی دونوں کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں پدرانہ تسلط، عورتوں پر ہونے والا ظلم اور بدسلوکی ختم ہو، لیکن اس مقصد تک رسائی کے لیے دونوں کا انداز فکر مختلف ہے۔ آمنہ ودود کا انداز زیادہ تر عذر خواہی پر مبنی ہے جب کہکیشا علی نے مغربی تعلیمات سے متاثر ہونے کے بجائے فلسفیانہ ابحاث کے ساتھ عملی اقدامات پر بھی زور دیا ہے۔ یعنی اس موضوع پر بحث ضرور ہونی چاہیے کہ مسلم معاشرے میں عورتوں کے ساتھ ہونے والے مظالم میں پدرانہ فکر کا کس حد تک عمل دخل ہے؟ لیکن اس کو محض ایسی فکر تک محدود نہ رکھا جائے جس کا مقصد متون ہر کیچڑ اچھالنا ہو بلکہ تنقید کے ساتھ ساتھ عملی شکلوں کا سامنے آنا بھی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ معذرت خواہانہ انداز اس حوالے سے بھی درست نہیں ہے کہ معذرت خواہانہ موقف بعض ناانصافیوں کو چھپانے اور یہاں تک کہ معاف کرنے میں زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔

اسلامی دنیا میں جنس کا سوال اسلامی تانیثیت کا اصل موضوع ہے، جس کے مارکسٹ فیمنزم، کرٹیکل ریس فیمنزم یا ومینزم جیسے دوسرے فیمنزم افکار کے ساتھ بہت سے موافقات اور اختلافات ہیں۔ جیسا کہ ما قبل بیان ہوا ہے کہ آمنہ ودد اور کیشا علی کا کام اسی پر ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ کا جدیدیت، مابعد جدیدیت اور روایتی ہرمینیوٹیکل کی فکر کو سامنے رکھ کا از سر نو مطالعہ کیا جائے تا کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ اسلامی تانیثیت اور دیگر فیمنزم افکار کے مابین مشابہات اور اختلافات کیا ہیں؟ کون سی فکر معاشرے کی بہتری کے لیے زیادہ سود مند ہے اور کسی فکر میں محض تھیوریز پیش کی گئی ہیں، عملی طور پر اس کو اختیار کرنا ممکن نہیں ہے یا معاشرے کی تباہی کا باعث ہے۔

مسلم معاشرت میں مسلم خواتین کی فعلیت کا سوال، اسلامی فیمنز کی تمام ہرمینیوٹیکل کاوشوں کی فوری ضرورت تھی۔ ہر ذی شعور شخص سمجھ سکتا ہے کہ مسلم صنفی موضوعات کی مختلف قسمیں ہیں اور اس کے مختلف افعال ہیں جو طبقے،

ذات، نسل، وقت اور مقام پر منحصر ہیں۔

خلاصہ بحث

آمنہ ودود قرآن کی تفسیر میں صنفی مساوات کو اہمیت دیتی ہیں، روایتی تفاسیر پر سوال اٹھاتی ہیں، اور اسلامی متون کو نئے تناظر سے سمجھنے کی ضرورت پر زور دیتی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کی اصل روح صنفی انصاف پر مبنی ہے۔ دوسری طرف، کیشا علی اسلامی فقہ میں اصلاحات کی ضرورت پر زور دیتی ہیں، ان کا موقف ہے کہ اسلامی قانون میں موجود صنفی عدم مساوات کو دور کرنے کے لیے نئی فقہی تفہیم کی ضرورت ہے۔

تانیثیت کی تشریحات میں اکثر سیاسی اور استعماری اثرات شامل ہیں، جو مسلمان خواتین کی صورت حال کو متاثر کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات مردوں اور خواتین کے درمیان عدم مساوات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتیں، بلکہ معاشرتی تعلقات کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نوآبادیاتی اثرات نے مردوں اور عورتوں کے مابین تعلقات پر اثر ڈالا ہے، جس کے باعث اسلامی تانیثیت کی بحث میں نئے تناظر کی ضرورت ہے۔ مناسب تفہیم اور تنقیدی نقطہ نظر کے بغیر، عصر حاضر میں اسلامی تانیثیت پر بحث سے منفی نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

Note & References

[1] Webster`s Encyclopedia Unabridged Dictionary, (1989) : pg.708

[2] اندریہ میشیل، فیمنیسم، جنبش اجتماعی زنان(حقوق نسواں،خواتین کی سماجی تحریک)،ص 11۔

Andrea Michell, Feminism, (Feminism, Women's Social Movement), p. 11.

[3] Herbetin Auclert (10 اپریل 1848-4 اگست 1914) فرانس کے اوورگن علاقے کے ایلیئر ڈپارٹمنٹ میں پیدا ہوئی، خواتین کو تعلیم اور معاشی آزادی فراہم کرنا، طلاق کو قانونی حیثیت دینا، خواتین کو ووٹ دینے اور ان جیسے دیگر حقوق نسواں کے لیے خوب تگ ودو کی۔ فیمنزم کے اولین ماہرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

McMillan, James F. (2000), France and Women, 1789–1914: Gender, Society and Politics, Psychology Press, p. 207

[4] Wati Longchar, Contextual Theologies (Kolkata: SCEPTRE,2014),241.

[5] چارلس فوریئر(Charles Fourier)(7اپریل1772ء-10اکتوبر1837ء):فرانسیسی فلاسفر تھا۔ جس نے سماجی کارکن کی حیثیت سے معاشرے کی تعبیر نو کیلئے(Phalanxes)نامی ایک انجمن قائم کی۔انکا یہ نظام(Furierism) کے نام سے جانا جاتا ہے. ملاحظہ کریں:

Beecher, Johnathan (1986). Charles Fourier: The Visionary and His World. University of California Press. pp. 195–196.

[6] (Accessed: https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/feminism. 2/8 (2024/

[7] (Accessed: https://www.britannica.com/dictionary/feminism 5/ 8(2024/

[8] نرجس رودگر، الحرکۃ النسویۃ، طبع اولی، (المرکز الاسلامی للدراسات الاستراتیجیۃ، بیروت لبنان، 2019ء) ص16۔

Narjis Rudgar, Hirakat al-Naswiyyah, first edition, (Al-Maqaraz al-Islami ll-Derasat Al-Stratejiyyah, Beirut, Lebanon, 2019) p. 16

[9] ایضاً۔

[10] الزبتھ کیڈی اسٹینٹن(12 نومبر 1815-26 اکتوبر 1902) ایک امریکی مصنفہ اور کارکن تھیں جو 19ویں صدی کے وسط سے آخر تک امریکہ میں خواتین کے حقوق کی تحریک کی رہنما تھیں۔ وہ 1848 سینیکا فالس کنونشن کے پیچھے اہم قوت تھیں اور اس کانفرنس کی ڈیکلریشن آف سینٹمنٹس کی بنیادی مصنفہ تھیں۔ ملاحظہ کریں:

Dann, Norman K. (2016). Ballots, Bloomers and Marmalade. The Life of Elizabeth Smith Miller. Hamilton, New York: Log Cabin Books. p. 67.

[11] Jane freedman, Feminism , pg: 7-8

[12] Mojab, Shahrzad (2001-11-01). "Theorizing the Politics of 'Islamic Feminism'". Feminist Review. 69 (1): 124–146.

[13] Margot Badran, "Islamic Feminism: What's in a Name?" Al-Ahram Weekly Online 17-23 January 2002 Issue no. 569

[14] Booth, Marilyn. 'A'isha 'Ismat bint Isma'il Taymur. Essays in Arabic Literary Biography 1850-1950, edited by Roger Allen. Weisbaden: Harrassowitz Verlag, 2010. Pp. 366-76.

[15] Booth, Marilyn (1995). "Exemplary Lives, Feminist Aspirations: Zaynab Fawwāz and the Arabic Biographical Tradition". Journal of Arabic Literature. 26 (1/2): 120–146.

[16] Leila Ahmed, Women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate, (New Haven, CT: Yale University Press, 1992), 243.

[17] فاطمہ مرنیسی (Fatima Mernissi) (پیدائش 1940ء۔وفات 2015ء) انکا تعلق مراکش سے ہے۔حقوقِ نسواں کی علمبردار اور سماجی علوم پر دسترس رکھنے والی مشہور خاتون ہیں۔

)Retrieved on 2/12/2019(https://g.co/kgs/6qBF2r

[18] Wadud Amina(2006),Alisha's Legacy,The Struggle for Women's Rights witin Islam,A Reader University of California press.p.201

[19] Acc.14/08/2024)(https://en.wikipedia.org/wiki/Kecia_Ali

[20] Amna wadud , 'Quran & Women' Original Edition,Kuala Lampur, Malaysia,Fajar Bakati Publication,Oxford University Press Subsidiary 1992.,ch:4,pg:62

.

[21] Ali "Sexual Ethics and Islam: Feminist Reflections on Qur'an, Hadith, and Jurisprudence." Oxford: Oneworld, Publications, 2006., xiv.

[22] Ibid: xviii.

[23] Ibid: ix.

[24] Ibid: 1.

[25] Wadud, *Qur'an and Woman*, x.

[26] .63Wadud, *Qur'an and Woman*,

[27] Ibid.

[28] Amina Wadud, *Inside the Gender Jihad: Women's Reform in Islam*, (Oxford: Oneworld, 2006), 32-37.

[29] Ali, Sexual Ethics and Islam, xxii.

[30] Ibid:151.

[31] Ali, Sexual Ethics and Islam, xxv.

اس مسئلہ پر مصنفہ نے اپنی ایک اور کتاب "Marriage and Slavery in Early Islam" میں بھی کافی تفصیلی کلام کیا ہے۔ملاحظہ کریں:

Ali, Marriage and Slavery in Early Islam', (Cambridge, MA: Harvard University Press,2010)

[32] Ali, *Sexual Ethics and Islam*, 148.